اوِس قضا

شاعری مجموعہ

سلیمان طارق

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اوِس قضا
ناشر	:	سلیمان طارق
اہتمام	:	عبداللہ عزیز
تاریخ اشاعت	:	جنوری2025
ضخامت	:	61صفات

حرفِ آغاز

میر اتعارف بس اتنا ہے کہ میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اور میرے ذہن میں ایک بات گھومتی رہتی کہ میں بھی ایک روز کتابیں لکھوں گا۔ گھر میں بھی ہر ایک سے یہی کہتا تھا کہ میں ایک روز کتاب لکھوں گا۔ جس کردار کو دیکھتا تھا کہتا کہ اس پر بھی لکھوں گا، اس پر بھی لکھوں گا۔۔۔۔۔۔۔ میں ایک دن اپنے رشتہ دار حافظ محمود مرحوم کے گھر گیا وہاں ان کے ہاں ایک پاکٹ بک "فروز اللغات" ملی میں نے دادا جی سے کہا میں یہ لے جاؤں تو انہوں کے کہا تیرے کام کی نہیں، بیٹا!۔۔۔۔۔۔

میں نے کہا اردو کے مشکل الفاظ اس سے دیکھوں گا تو انہوں نے وہ تحفہ دی۔

مجھے شوق تھا میں ایسے شعر لکھوں جن میں مشکل الفاظ ہوں تا کہ میں بڑا شاعر مانا جاؤں۔ میں نے گھر آتے ہی کتاب پڑھنا شروع کر دی۔ اس میں سے میں ایک لفظ اچھا لگا

ناگفتہ بہ

تو میں نے ایسی ہی ایک شعر بنالیا جو کہ بے وزن تھا مگر آج تک اس کا میرے وجود پر وزن ہے۔

ناگفتہ بہ کہانی ہے میرے دل کی
کوئی ہے جو بے زباں کی صدا سنے

! میں نے ناسمجھی میں شعر کہا دیا جسے آج تک میں بھی نہ سمجھ سکا نہ ہی کوئی اور سمجھا

میرے پاس نہ اتنے الفاظ تھے نہ اتنا حوصلہ تھا کہ میں کچھ اور انوکھا لکھوں، بس جو جی میں آیا لکھ دیا۔ شاید کہ خیال وہ اتنے مرتبے کا نہ ہو جس کا ایک دم چرچا ہو جائے مگر میرے احساسات اس میں ضرور شامل ہیں۔

اگر جی چاہیے تو اسے اپنی پسند میں لانا، نہیں تو اسے ناپسند ضرور کرنا۔ کیوں کہ رد اور قبول احساسات کے انتہائی درجے ہیں۔ نظر انداز کرنا احساسات کی بغاوت ہے۔

سلیمان طارق

حمد

منظرِ نگہ طلب معجزات کا خدا
کس قدر عظیم ہے سومنات کا خدا

ڈھیل دے رہا ہے، طاقت کے باوجود جو
کیا بڑا رحیم ہے منکرات کا خدا

انگلیاں کٹیں کہیں گردنیں بھی خلق کی
کارِ حسنِ کنُ کرے کائنات کا خدا

اجنبی نہیں ہے پل پل کی ہے خبر اسے
صاحبِ نظر جو ہے واقعات کا خدا

کب تلک رہیں گے یوں ہائے ہائے کرتے ہم
نالے با اثر کریں ممکنات کا خدا

☆☆☆

نعت

نہیں کچھ طلب دوسرا محمد
ہمیں چاہیے بس نگاہِ محمد

ہوا ظلمتوں میں جہاں سارا روشن
یہ پوچھو قمر سے اُٹھائے محمد

فقیری کے دنیا میں ہیں خوب چرچے
غریبوں سے پوچھو عطائے محمد

گنہ ڈھیر ہیں کے خدا بھی نہ چھوڑے
کہیں پر ملے اب پنائے محمد

بہ یک جنبشِ گام دنیا مسافت
خدا خود بتا اقتدائے محمد

خدا بھی نہ پوچھے کہ مجرم کہاں ہیں
کہ کملی میں جس کو چھپائے محمد

نگاہیں نِگوں ہیں فرشتوں کی آگے
ہوا اس طرح سے حیائے محمد

گنہ گار ہوں پر سفارش کا طالب
سو طارق کو محشر بلائے محمد

☆ ☆ ☆

نظم

میں اپنے شہر کا آخری آوارہ گرد
شب بھر خاموشی سے بھٹکتا ہوں

چلتے چلتے کھا کے ٹھوکر کسی پتھر سے

ہولے ہولے سے میں لاشے کو سنبھالتا ہوں

میرے کرتے پہ ہیں آبِ مصفا کے نشان
بار بار کرتے سے میں چہرے کو رگڑتا ہوں

چند قدم چل کے بیٹھتا ہوں
سوچتا ہوں کہاں جانا ہے
اک سوچ پہ رستے کو بدلتا ہوں

قصدا تیرے کوچے میں عادتا آ نکلتا ہوں
چالاکی سے رقیبوں سے گھر اپنے کا پتہ پوچھ لیا

میری حرکت پہ وہ ہنستے ہیں ہیں کہ پاگل ہے
رحم دل دشمن مجھ کو سنور کی دعا دیتے ہیں
ایک دشمن کے سوا سب مجھے مرنے کی دعا دیتے ہیں

میں اس شہر کا آخری آوارہ گرد
شب بھر خاموشی سے بھٹکتا ہوں

وہی خاک کا ٹکڑا میرا گھر ہے جہاں سو دیتا ہوں
میں اہلِ گھر ہوں بے گھر کسی شخص کو دیکھوں
تو میں رو دیتا ہوں
ایک عادت سی ہو گئی اب کہ اپنے میں
جس شخص پہ تھوڑا سا بھروسہ ہو اسے کھو دیتا ہوں

میں اس شہر کا آخری آوارہ گرد
شب بھر خاموشی سے بھٹکتا ہوں

☆ ☆ ☆

سچ میں چھوڑے یا کہانی میں گنہ چھوڑ دیئے
یا کسی چرب زبانی میں گنہ چھوڑ دیئے

کس نے مجبور کیا عین جوانی میں ہمیں
جس کی کہنے پہ جوانی میں گنہ چھوڑ دیئے

اپنی پیشانی پہ کالک کا نشاں نور نہیں
کچھ ثبوتوں کی نشانی میں گنہ چھوڑ دیئے

اس لیے چین سمندر کی روانی میں نہیں
خدشہ ہے چاند نے پانی میں گنہ چھوڑ دیئے

اب تو تسکینِ محبت بھی ہے اجسام تلک
مے کشی رسم پرانی میں گنہ چھوڑ دیئے

☆ ☆ ☆

عشقِ دنیا نہیں دشت دوانے کو سلام
ہم تو قائل نہیں جدت کے پرانے کو سلام

توڑ دینا کسی مخلص کی غریبی کا بھرم
راز افشانی پہ کم ظرف زمانے کو سلام

ایک لمحہ میں ملا کے کرے لمحے میں جدا
نیند میں آتے ہوتے خواب سہانے کو سلام

قرب داری کا ملا غیر کی باتوں سے ثبوت
حضرتِ حسن کے معصوم بہانے کو سلام

جس ترانے سے جوانوں کا لہو گرم رہے
صورِ محشر نے بھی بھیجا ہے ترانے کو سلام

فرق آنے نہ دیا ہوش میں ساقی نے ذرا
جام تو جامِ رہا طرزِ پلانے کو سلام

سلوٹیں کھاتی جبیں اپنی تھی رسوائی مگر
طیشِ الفت کو دعا ہونٹ دبانے کو سلام

☆☆☆

سب ہیں خاموش پریشان کوئی بات تو ہے
کوئی تازہ ہوا نقصان کوئی بات تو ہے

نور چہرے پہ نہیں ،خون مدارج میں نہیں
اے اداسی بھرا انسان کوئی بات تو ہے

جگمگاتی ہوئی سڑکیں یہ بے رونق کیوں ہیں
شہر جنگل سا ہے ویران کوئی بات تو ہے

ہر ملاقات میں رہتا کہیں اور خیال
ہم نشیں بات کے دوران کوئی بات تو ہے

جو مقابل پہ اتر آئی خزاں اور بہار
اے میرے گلشن کے نگہبان کوئی بات تو ہے
یہ جو چہرے پہ تبسم ہے اداکاری ہے
دل میں چھبتا ہے جو ارمان کوئی بات تو ہے

☆☆☆

کوئی نغمہ کوئی طوفان اٹھایا جائے
اور نہیں کچھ تو وہی طور جلایا جائے

دل پہ آویزاں ہے عرقِ اداسی کا لباس
جس سے دل جائے بہل حال سنایا جائے

شر سے تعظیمِ محبت میں اضافہ ہو گا
گر تماشا سرِ بازار دکھایا جائے

پہلے اس گردشِ تقدیر کو تابع کر کے
پھر ستاروں کو زبوں حال بتایا جائے

جو بغاوت نہیں کرتا کسی ظالم کے خلاف
ظلم سے پہلے وہ مظلوم، مٹایا جائے

ردِ طاعت کی جماعت پہ بھروسہ ہی نہیں
میرے شانوں سے یہ نگران ہٹایا جائے

اس سے پہلے کہ شفایاب نہ ہو جاؤں میں
بادہ کش حلقہِ احباب بلایا جائے

غیر ممکن نہیں وہ علم و عقائد کا مقام
روبرو یزداں ہو گر ذوق سکھایا جائے

ہے یہ آدابِ تعّلم کا تقاضا طارق
ایک استاد کو یزدان بنایا جائے

☆☆☆

باغ کی ہر بلا کی زد میں ہوں
پھول تنہا ہوا کی زد میں ہوں

بد دعا رد نہیں ہوتی ہے کوئی
میں تو اک پارسا کی زد میں ہوں

خوف تھا مار نہ دے بیماری
پر ہوا یوں دوا کی زد میں ہوں

خلق رہتی ہے خدا کے پڑتو میں پھر
محض میں کیوں خدا کی زد میں ہوں

شوق تھا بے فا سے پاوں گا فیض
آج تک بے وفا کی زد میں ہوں

☆☆☆

مجھ کو گرا نہ یارب حالات کے برابر
یا ضبط بھی عطا کر صدمات کے برابر

عرشِ خدا پہ میں نے مظلوم جا کے دیکھے
بڑھ کے نہ پایا کوئی سادات کے برابر

اپنے لیے بنائی بس رات وصل کی اک
اتنی طویل ہے کچھ اس رات کے برابر

ہم سے امیر بڑھ کر ہوتا نہ کچھ جہاں میں
اجرت اگر جو ملتی جذبات کے برابر

تخلیقِ بت حسن پر ہنگام تھا گلوں میں
بلبل نے کہہ دیا ہو اوقات کے برابر

ہونٹوں میں ان کے شیریں رخسار پے چمک ہے
نعمت نہیں بنی کچھ سوغات کے برابر

آنکھوں سے تیر لیتے ہیں درس نشتری کا
آیا نہ کوئی قاتل آلات کے برابر

شانوں پہ ایسے چھڑکیں زلفیں گھٹاؤں والی
آبِ حیات برسا برسات کے برابر

گرچہ غریب ہوں مجھ کو ناز ہے سخن پر
دولت بھی کم پڑے گی اک بات کے برابر

☆☆☆

نایاب ہو گئی ہے امت میں دلبری
مایوس ہو گیا کیا الفت سے آدمی

رہ زن سکھا رہے ہیں منزل شکن فنون
در در بھٹک رہی ہے دنیا میں رہبری

فردِ سکوت پر شورِ گریہ ہے اجل
روتی بذاتِ خود کہلاتی ہے زندگی

گردابِ زندگی یا تقدیر کا بھنور
یزداں سکھا رہا ہے بندے کو بندگی

مقتل میں بٹ رہی ہے جو دولتِ لہو
مے خار کہہ رہے ہیں اس کو بھی تشنگی

ہم کو نہیں طلب کچھ زربفت کا لباس
اتنا ملے کفن بس ، چھپ جائے مفلسی

میں تو ہٹا رہا تھا ہستی سے غم کا بوجھ
کیوں لوگ جانے اس کو کہتے ہیں خودکشی

میں نے رکھے ہوئے ہیں اپنے بہت سے روپ
سب سے پسند مجھ کو منصب ہے بے بسی

☆☆☆

مٹ گیا ہوں ابھی جہان سے میں
مٹ نہ جاؤں کسی نشان سے میں

لوٹ آتے ہیں جانے والے پھر
مر نہ جاؤں اسی گمان سے میں

جب کہا اس نے ہٹ جا سامنے سے
ہٹ گیا اپنے درمیان سے میں

مجھ کو جوڑے خدا سلیقے سے
توڑتا ہوں تبھی دھیان سے میں

ہر کوئی کیوں سوال کرتا ہے
دور رہتا ہوں خاندان سے میں

معترف ہوں میں ہر برائی کا
منحرف ہوتا آن بان سے میں

لطف آنے لگا ہے زیست میں اب
دیکھنے لگ گیا زبان سے میں

کودتا ہوں ، اچھلتا اس لیے ہوں
پھوڑ آیا ہوں سر چٹان سے میں

چند نمبروں سے رہ گیا اکثر
چند نمبروں کے امتحان سے میں

اتنی جلدی ہوئی محبت خیر
رفتہ رفتہ مروں گا جان سے میں

☆☆☆

عزتِ نفس تری گھات سے مر جاتے ہیں
ہم سے مفلس کبھی حالات سے مر جاتے ہیں

ان چراغوں کو کبھی بھول نہ جانا اے سحر
جو سرِ شام سیہ رات سے مر جاتے ہیں

ایسی تجدیدِ جہاں دیکھ کے محنت ہے اداس
محنتی لوگ جو آلات سے مر جاتے ہیں

کاش توڑے نہ بھروسہ کوئی امیدِ سحر
ہائے وہ لوگ کہ جذبات سے مر جاتے ہیں

لوگ کتنے ہیں جو زندہ ہیں ابھی موت کے بعد
لوگ کتنے ہیں جو صدمات سے مر جاتے ہیں

جھیل جاتے ہیں وہ تلوار کے گہرے گھائل
وہ جو مسکین کسی بات سے مر جاتے ہیں

لوگ جڑتے ہیں قبیلے کی مساوات سے اب
ہم سے طارق جو کسی ذات سے مر جاتے ہیں

☆☆☆

شبِ غم چھوڑ مجھے شام سے گھن آتی ہے
جان لیوا ہے تبھی کام سے گھن آتی ہے

چڑچڑاپن وہ مجھے راس تھا جھگڑا تیرا
باخدا اب مجھے آرام سے گھن آتی ہے

کامیابی کو فقط لوگ خدا مانتے ہیں
جانے کیوں بندۂ ناکام سے گھن آتی ہے

عمر بھر جس نے کئی نام لگائے دل سے
اب کہیں سن لو اسی نام سے گھن آتی ہے

ایک مدت میں ترا موردِ الزام رہا
اب نہ جانے کیوں الزام سے گھن آتی ہے

وہ جسے سن کے خفا ہو جائے ریڑھی بان
ایسے اب کہتے ہوئے دام سے گھن آتی ہے

☆☆☆

غیر ممکن کو خواب کرتی ہے
نیند کتنا ثواب کرتی ہے

اپنی بے وقت کی وفاداری
سر چڑھوں کو خراب کرتی ہے

موت کا فیصلہ عذاب نہیں
زندگی کیوں عذاب کرتی ہے

اس مصیبت میں اک مصیبت ہے
یاریاں بے نقاب کرتی ہے

کچھ تو خود بھی خراب ہوں جاناں
کچھ یہ دنیا خراب کرتی ہے

جامِ جنت ہے اپنی پلکوں میں
آنکھ آنسوں شراب کرتی ہے

ہم کریں یار منتخب ، باقی
دوستی انتخاب کرتی ہے

☆☆☆

دفن ہوتی میری میت تری دربار کے ساتھ
جیت لیتا تو اگر دل میرا کردار کے ساتھ

زندگی خوب لگی اب کہ نئے یار کے ساتھ
وقت کچھ اچھا گزرتا ہے دیوار کے ساتھ

جب جی میں آتا ہے تعزیر بڑھا دیتے ہو
یہ روش اچھی نہیں تیری گرفتار کے ساتھ

خود ہی املاک کو خطرہ ہے محافظ ہے ابھی
دشمنِ دیس روابط میں ہے سالار کے ساتھ

سب تماشائی ہوئے حشرِ تماشا کے فقط
کون جاتا ہے جہنم میں گنہ گار کے ساتھ

قومِ افلاس کی بستی ہے غبارے کی طرح
آدمی جان بچاتاہے دستار کے ساتھ

یہ کسی اور زمانے کے ہیں محمود و ایاز
صف میں غدار بھی بیٹھے ہیں وفادار کے ساتھ

سادگی دیکھ کے کیوں ہم پہ لگاتے ہو قیاس
پیش آئیں گے یونہی آپ روادار کے ساتھ ؟

یوں نہ ایجاد کرو روز نیا ایک عذاب
کچھ رعایت تو کرو عاجز و بیمار کے ساتھ

کس طرح منزلِ مقصود پہ پہنچیں طارق
فاصلے بڑھ جاتے ہیں حدِ رفتار کے ساتھ

☆☆☆

جب بھی وہ چاہتے ہیں بزم سجا دیتے ہیں
جس کو محفل سے اٹھائیں وہ اٹھا دیتے ہیں

آگیا جام کہیں حضرتِ تقدیر کے ہاتھ
ہوش میں آتا ہوں تو اور پلا دیتے ہیں

ہم پہ واجب ہی نہ تھی رزق کمائی کا جہاد
ہم کو بچپن میں کمانے کی سزا دیتے ہیں

ان فقیروں پہ سخاوت بھی فدا ہوتی ہے
چند سکوں کے عوض دل سے دعا دیتے ہیں

اس نشیمن پہ شکاری کا کڑا پہرہ ہے
پھڑپھڑاتا ہوں تو تیر چلا دیتے ہیں

ان مسلط کرداروں کے پسِ پردہ کوئی
چند کردار ہیں جو ڈوری کو ہلا دیتے ہیں

اب کے اپنے دلِ منصف پہ بھروسہ ہی نہیں
پل میں غدار و وفا دار بنا دیتے ہیں

کتنے بے رحم ہیں غربت میں گزارے لمحے
اہلِ پہچان کی پہچان مٹا دیتے ہیں

روز تعمیر میں کرتا ہوں محبت کا دیار
روز طوفاں کوئی دیوار گرا دیتے ہیں

باز آتے نہیں کچھ اہلِ محبت اب بھی
بزم یاراں میں چراغوں کو بجھا دیتے ہیں

جن پرندوں کو سلیقہ نہیں اڑنے کا ابھی
میرے اجڑے سے نشیمن کو ہوا دیتے ہیں

حیف وہ شوقِ ظفریابی کے لمحے طارق
کتنے کم ظرف ہیں اپنوں کو بھلا دیتے ہیں

☆ ☆ ☆

منظرِ شوقِ نگہ دلدل میں ڈال دیا
چاندنی رات کو پھر ساحل میں ڈال دیا

اب ہمیں روک نہ پائے کوئی فطرت کی بلا
سارا تنظیم سفر منزل میں ڈال دیا

اب ہے آسان اناڑی کو حکومت کرنا
ایک منظورِ نظر قابل میں ڈال دیا

غیر ممکن کی تمنا کیے جاتے ہیں سبھی
دسترس چیز کو لا حاصل میں ڈال دیا

زندگی ! وہ بھی گزاری نہ گزرنے والی
ہم نے مشکل کو کہیں مشکل میں ڈال دیا

دشتِ وحشت کو تو سینے سے لگائے رکھنا
پھر سے لیلی نے جنوں محمل میں ڈال دیا

☆ ☆ ☆

میں کہاں ہوں غمِ دل مجھ کو بتائے کوئی
قافلہ لوٹ گیا شور مچائے کوئی

حوصلہ ہے مجھے برباد جہاں کرنے کا
ہے کوئی میرے مقابل میں تو آئے کوئی

ایک مدت سے ہمیں طور پہ بیٹھے ہیں
شعلہ نورِ تجلی سے جلائے کوئی

میں گرفتار اداسیِ غمِ حالاتِ ہوا
دل خفا ہے کہ بھلی بات سنائے کوئی

میں نے دیکھا ہے بہت ، پانی میں تاثیر نہیں
اب کہ دم کر کے مجھے آگ پلائے کوئی

یہ ہمکتی ہوئی گزرے گی حیاتی کیسے
جس پہ گزری ہو قضا ہاتھ بٹائے کوئی

شوخ لہجہ ہو یا چنچل کوئی طارق
عمر بھر کی ہے تمنا کہ ستائے کوئی

☆☆☆

شوقِ دیدار اب مٹے گا نہیں
خوشبو سے یہ دیا بجھے گا نہیں

خانداں رکھ رکھاو سے بچے گا
اور ہمارا تو کچھ بچے گا نہیں

کیا کرے گا وہ خودکشی کے سوا
جب کوئی آدمی سنے گا نہیں

کون ہو گا خفا یوں محفل میں

جب کوئی گفتگو کرے گا نہیں

اس ستم گر کو کیا یقیں تھا بڑا
مرنے والا !مگر مرے گا نہیں

دعوتِ قتل بار ہا دی اسے
تیغ و خنجر ہمیں چنے گا نہیں

ہم کو عادت ہے سر کٹانے کی
سر ہمارا کبھی جھکے گا نہیں

دیکھتے کیوں ہو بار بار ادھر
بد نظر کچھ تیرا بنے گا نہیں

عادتاً آسمان دیکھتے ہیں
علم ہے کے خدا سنے گا نہیں

کیوں لگاتے ہو قبر پر کتبہ
میرا کتبہ کوئی پڑھے گا نہیں

☆ ☆ ☆

غم کا دنیا میں کچھ لباس نہیں
زندگی کو سکون راس نہیں

مرنے والا کفن پہ لکھ گیا تھا

جینے والے وفا شناس نہیں

مجھ پہ الزام کیوں اداسی کا
کون دنیا میں اب اداس نہیں

کوئی دیوار ہے نہ صحرا میں
اور دریا بھی آس پاس نہیں

خاص بندوں کو خاص ملتے ہیں
یعنی محفل میں ہم تو خاص نہیں

☆☆☆

شوق میں چھونے سر نہ جاؤں کہیں
شوخ زلفوں سے ڈر نہ جاؤں کہیں

اتنی وحشت ہے اپنے کمرے میں
لوٹ اس بار گھر نہ جاؤں کہیں

تب ہی پتھر سا بن کے بیٹھا ہوں
اس ہوا میں بکھر نہ جاؤں کہیں

یہ بہاریں نگاہیں رکھتی ہیں
کہ خزاں میں نکھر نہ جاؤں کہیں

لوگ یوں دیکھ بھال کرتے ہیں

ان سے بچ کے سدھر نہ جاؤں کہیں

اتنی مدت کے بعد مت آنا
تیری صورت سے ڈر نہ جاؤں کہیں

آج خود پے ہنسی کا موقع ہے
آج اشکوں سے بھر نہ جاؤں کہیں

میری وحشت پہ دشت کھلتا ہے
چلتے چلتے ٹھہر نہ جاؤں نہیں کہیں

تیری آنکھیں شراب خانہ ہیں
آنکھ تجھ میں اتر نہ جاؤں کہیں

خود سے وعدہ تھا لوٹ آنے کا
عہد اپنے سے پھِر نہ جاؤں کہیں

میرے قدموں میں تاب رکھنا تم
عشقِ سولی سے گر نہ جاؤں کہیں

بد زبانی میں اتنا ماہر ہوں
تلخ لہجے سے لڑ نہ جاؤں کہیں

روز کہتا ہوں موت آ جائے
موت آنے پہ ڈر نہ جاؤں کہیں

اپنے کھونے کا خوف رہتا ہے
اپنے مرنے پہ مر نہ جاؤں کہیں

قابو رکھتا ہوں خود پہ طارق میں
یوں بکھر کے سنور نہ جاؤں کہیں

☆☆☆

راہ میں کہکشاں بچھا کے کہیں
راہ ہموار کر رہا ہے کوئی

راز تھے جو مری محبت کے
آج اخبار کر رہا ہے کوئی

☆☆☆

عشق کا داغ خاص و عام کو ہے
درد مصروف اپنے کام کو ہے

وہ صبح میں کہاں تقدس ہے
جو یہ کہرام دردِ شام کو ہے

موت ہی چل چلاو کا ہے سبب
زندگی بس برائے نام کو ہے

خامشی میں نہیں وہ قوتِ زخم

جو خرابت فنِ کلام کو ہے

باز کوئی نہیں غموں سے یہاں
درد کا سامنا تمام کو ہے

درد حد سے گزر گیا طارق
جانے تکلیف اختتام کو ہے

☆☆☆

ہر حال میں رہی سدا رنجور زندگی
گم نام زندگی یا ہو مشہور زندگی

مشکل کے ساتھ تھا مری سانسوں کو واسطہ
مشکل ہوئی جو دور ، ہوئی دور زندگی

شورش مزاج لوگ تھے پر کیا کریں حضور
دو چار دن عطا ہوئی مجبور زندگی

کرنی پڑے غلامیِ دولت مجھے اگر
دولت نہیں قبول نا منظور زندگی

روزِ ازل سے فیصلہ ہے موت کا اٹل
لیکن بدلتی روز ہے دستور زندگی

یہ وقت موت پر بھی نہ آئے خدا کرے

جیسے گزارتی ہے، یہ سنگ چور زندگی

منصب کے نام پر ہمیں پیدا کیا گیا
کیوں نائبِ خدا کی ہے مزدور زندگی

☆☆☆

جب سچ ہمارے قول کا مہمان ہو گیا
مشہور تھا جہان میں انجان ہوگیا

طوفان رک گیا پہ سماں سوگوار ہے
جانے خدا کے گھر کا بھی نقصان ہو گیا

ناکامیوں کا عادی کرے فیصلہ بھی کیا
خوشیوں کی جھم گھٹا میں پریشان ہو گیا

حالاں کہ میں بھی اترا تھا آدم کے ساتھ ساتھ
اس کو زمیں ملی ، پہ میں ویران ہوگیا

جس کے سبب جہان سے گم نام آج ہوں
لے لے کے میرا نام وہ پہچان ہوگیا

اب اپنے آپ سے بھی توقع نہیں رہی
میں اپنے آپ کا انسان ہوگیا

میدان میں نہ اترا سو کمزور جان کر

خیراتِ جیت سے کوئی سلطان ہو گیا

☆☆☆

مانگی تھی کیا با خدا دستِ دعا یاد نہیں
یاد ہو یزداں کو تو ہو ! مجھ کو عطا نہیں

ایک گنتی ہمیں آتی تو میں کرتا وہ شمار
کتنی کرتا تھا وفا اہلِ وفا یاد نہیں

جرم بھی کس کی ، معافی کا طلب گار بنو
ایسا مجرم ہوں جسے کوئی خطا یاد نہیں

زندگی کرب سے پہلے تو شکایت تھی بہت
عمرِ رفتہ کا ابھی کوئی گلہ یاد نہیں

میری یاداشت پہ پہرہ ہے تری یادوں کا
اب مجھے اپنی گلی گھر کا پتا یاد نہیں

یاد واعظ کو سزاوں کی تو فہرست سبھی ہے
ہاں مگر ایک فقط خلقِ خدا یاد نہیں

اک نظر سامنے آئے تو فنا کر کے چلے
قید میں آنے کا بھی وقتِ قضا یاد نہیں

یاد رہتے تھے کبھی پہلے ہمیں نقش سبھی

اب پری شخص کی کچھ ناز و ادا یاد نہیں

ایک مدت سے نکالا ہوا ہے گھر سے ہمیں
اب تو آدم کو بھی جنت کی ہوا یاد نہیں

جس نے بخشی تھی خدائی اسی پتھر کو کبھی
آج سینے میں پڑے بت کو خدا یاد نہیں

☆☆☆

دنیا کی ایک بات سے خاموش ہوگیا
درویش چاند رات سے خاموش ہو گیا

شعلہ بیاں مزاج ،وہ گفتار کا گرو
ان کی لطیف بات سے خاموش ہو گیا

اپنا میں ہم خیال تھا بچپن کے وقت سے
شاید اسی ہی ذات سے خاموش ہوگیا

صدماتِ زندگی نے تو موقع نہیں دیا
چپ چاپ واقعات سے خاموش ہو گیا

معصوم زندگی پہ وہ حملہ نقاب پوش
اپنوں کی واردات سے خاموش ہوگیا

ڈھڑکن نے دل کی حشر بپا کائنات میں
سینے پہ ایک ہاتھ سے خاموش ہو گیا

الفاظ کے گلے میں ہے اوقات کی لگام
طبقاتِ ذات پات سے خاموش ہو گیا

☆☆☆

خوابوں پہ کھل سکا نہ یہ تعبیر کا مزاج
برفوں کے بیچ گرم ہے کشمیر کا مزاج

رسما نگہ ہٹائی، لپک کر ملا نصیب
ہم جانتے ہیں کاتبِ تقدیر کا مزاج

پھر دیکھنے کی دل میں سو پیدا کرے طلب
کتنا فریب کار ہے تصویر کا مزاج

لپٹی رہے گی جسم سے اپنے مفاد تک
کتنا جفا پرست ہے زنجیر کا مزاج

ویسے سکون لاتی ہے فرصت کی اک گھڑی
خوابوں کے بعد مٹ چلا تعبیر کا مزاج

☆☆☆

ترتیب سے وجود کو کوشش تھی جوڑ دیئے
یہ جستجو وہی تھی جو پانے میں تھک گئی

کتنا سفر ہے سانس کا دامن سے منہ تلک
انکار کی ادا تھی جو آنے میں تھک گئی

☆☆☆

کاش اک بار وہ یہیں آئے
ہم کو ہونے کا بھی یقیں آئے

کتنا احمق ہوں سوچتا ہوں خواب
تیرگی میں وہ مہ جبیں آئے

صرف پوچھوں گا جرم جینے کا
سامنے زندگی کہیں آئے

ربط اتنا ہی زندگی سے رہا
سمجھو دنیا میں ہم نہیں آئے

لوگ ڈرتے ہیں آسماں سے کہیں
مجھ پہ تو آسماں زمیں آئے

☆☆☆

ہائے وہ دن یقیں نہیں آتا
تجھ کو مجھ پر یقین کتنا تھا
ان دنوں تم حسین کتنا تھے

ان دنوں میں حسین کتنا تھا

☆☆☆

جب نظارہ جمال کرتے ہیں
زخم محشر سا حال کرتے ہیں

اتنا غافل ہوں اپنی حالت سے
میرا دشمن خیال کرتے ہیں

میں بھی غم کو زلیل کرتا ہوں
غم بھی مجھ کو نڈھال کرتے ہیں

یوں گناہوں میں مرا چرچا ہے
نیک بندے ملال کرتے ہیں

لوگ ہر دن جنم مناتے ہیں
ہم بھی اپنا وصال کرتے ہیں

میں کسی کا جواب دہ تو نہیں
لوگ ناحق سوال کرتے ہیں

تم طلوعِ سحر کرو اور ہم
زندگی کا زوال کرتے ہیں

داستاں غم کی اختتام کرو
لوگ سانسیں بحال کرتے ہیں

پڑ گئے حق پرستوں کی زباں پر
آبلے بھی کمال کرتے ہیں

کام کرتے نہیں کبھی شاعر
جو کریں بے مثال کرتے ہیں

☆☆☆

مت کرو بات بے بسی پہ ابھی
بحث جاری ہے زندگی پہ ابھی

جوڑی تھی پیٹ کاٹ کے جو رقم
لگ رہی ہے رفو گری پہ ابھی

مرنے والے بتا سلوکِ اجل
یونہی الزام زندگی پہ ابھی

راس آئی ہے غم زدی ہم کو
رنج بڑھتا ہے ہر خوشی پہ ابھی

وقت بدلے مقام بدلیں گے
رکھ دیا دل اسی گلی پہ ابھی

مت کہو حال غرقِ محفل کا
جرم جائے گا آگہی پہ ابھی

وقت بدلا ہے رت بدل گئی ہے
تم ہو طارق رواں اسی پہ ابھی

☆ ☆ ☆

یاد مشکل سے درسِ عشق ہوا
مشق جاری ہے اب بھلانے کی

بھول جاتا ہوں آپ اپنا میں
جب کی نیت اسے بھلانے کی

☆ ☆ ☆

تنگ دستی کی یہ جو حالت ہے
اہلِ دنیا کی یہ محبت ہے

ایک مردود فلسفی نے کہا
کم نگاہی بڑی محبت ہے

دل کی نگری تباہ کس نے کی
کوچہ کوچہ ابھی سلامت ہے

یوں ہوا جو اداس لگتی ہے
آنے والی کوئی قیامت ہے

رنگ لگتا ہے خشک ہاتھوں پر
کچی رنگت میں کتنی صورت ہے

زخم الفت سے بچ گیا تو انہیں
مار دیتی بے رحم غربت ہے

لوٹ آیا مجھے وہ ملنے کو
کوئی لگتی مجھے شرارت ہے

لوٹ آیا ہوں تیرے کہنے پر
اپنی آمد پہ مجھ کو حیرت ہے

جان کاری ہے اہلِ دنیا کو
کس سے کس کو کیا ضرورت ہے

مجھ سے اتنی جو خوش کلامی ہے
آج لگتا ہے یومِ رخصت ہے

ہے غنیمت کہ زندگی ہو بھلی
وقت پر موت ایک نعمت ہے

کب میسر کو لوگ چاہتے ہیں
صرف فقدان ہی میں لذت ہے

لوگ ناراض ہیں محبت میں
کیسی ہی بے گنہ شرارت ہے

ایک تو آپ خوب صورت ہیں
دوسرا آپ کی ضرورت ہے

☆☆☆

اشکِ خاموش چل وضو ہوکر
رنج رسوا ہے گفتگو ہو کر

عکس اپنا جنون کردہ ہے
مجھ سے الجھا ہے روبرو ہو کر

مجھ سے روٹھا نصیب عجلت میں
چین بچھڑا ہے آرزو ہو کر

جڑ گئی میرے نام سے رسوائی
بے بسی آئی آبرو ہو کر

تیرگی لڑ پڑی تھی سورج سے
لوٹ آئی ہے سرخ رو ہو کر

خود کو دی ہے سزا حیاتی کی
مہکا دامن لہو لہو ہو کر

میرا خوشبو گلہ تو گھونٹ گئی
رنگ پھیلا بدن پہ بو ہو کر

☆☆☆

گر محبت نہیں ہے داعی میں
نقص باقی ہے پارسائی میں

جس برائی میں نام بنتا ہے
پھر برا کیا ہے اس برائی میں

خوب ملتے ہیں اب تصور میں
کیا سہولت ہے اس جدائی میں

نیند سوتے ہیں بے خبر ہو کر
چین کیسا ہے بے وفائی میں

دل نے بدلہ چناو چاہت کا
کھپ رہی خلق خود نمائی میں

شور ڈالا سکوت نے ایسا
سن نہیں پا رہا سنائی میں

دل لگا جب چراغ کے دل سے
دل مرا جل گیا سیاہی میں

رزق بندے کے ہاتھ ہوتا اگر
صرف بچتا خدا خدائی میں

بھیک مانگوں اگر ستم گر سے
موت آ جائے اس رہائی میں

☆☆☆

عزت تجھے جو دے تو لازم ہے تجھ پہ بھی
ایسے وفا کے پیکر پر جان وار دے
عادت نظر چرا کے چلنے کی جس کو ہو
ایسے بے رخ کو تو بھی دل سے اتار دے

☆☆☆

حالِ دل ہم نے کیا سنایا ہے
دل کی ڈھڑکن نے دل دکھایا ہے

کیا تجلی گرائی پھولوں نے
باغ شعلوں سے جگمگایا ہے

بزم میں روشنی کے واسطے رات
ان اندھیروں میں دل جلایا ہے

اشک اترے ہیں اس بغاوت میں
زخم سینے میں کیوں چھپایا ہے

بے سبب دل میں بے قراری ہے
لگتا ہے دل کسی پہ آیا ہے

بوجھ کتنا تھا ہم پہ سانسوں کا
سانس رکنے پہ چین آیا ہے

با خدا میں تو سولی پے سو گیا
یارِ حاجت نے یوں جگایا ہے

شور برپا ہے کن کی ہا ہو کا
کس نے آدم کو پھر بنایا ہے

زندگی نے بھی کیا نہیں کیا ہے
زیست کو ہم نے بھی ستایا ہے

ہے تماشا عجب محبت کا
ہوش کھونے پہ ہوش آیا ہے

خشک میت میں خون دوڑا ہے
جانے والے کو کیوں بلایا ہے

☆☆☆

دل کسی رخ سے بھر گیا شاید
یا دیوانہ سدھر گیا شاید

بے سبب رو رہا ہوں آخر کیوں
مجھ سے کوئی بچھڑ گیا شاید

ماتمی شور ہے گھرانے میں
در بدر آج گھر گیا شاید

گونج ہے خامشی کی اس گلی میں
رونے والا ہی مر گیا شاید

فلسفے جھاڑنے لگا مے خار
اب نشہ رم اتر گیا شاید

جھوٹ ضد اور فریب سیکھ لیا
خدشہ ہے میں سنور گیا شاید

زندگی ہاتھ مل رہی ہے کیوں
حوصلہ ہاتھ کر گیا شاید

نام دل ہے شریر بچے کا
ہم نشیں آپ پر گیا شاید

☆☆☆

اب نہ چڑیا نہ بلبلیں ہیں کہیں
تنگ دل ہو گئے زمیں کے مکیں

بانٹ کر رزق ساتھ کھاتے تھے
کتنا پختہ تھا آدمی کا یقیں

موت جنت کا قرب دیتی ہے
یہ مروت تو زندگی میں نہیں

پھر کسی نے کیا ہے پشت پہ وار
کر لیا یاد دوستوں نے کہیں

☆☆☆

چین آنے لگا بہانے سے
جرم بڑھنے لگا زمانے سے

ہے شکایت سبھی کناروں کی
پیاس بڑھتی ہے موج آنے سے

کیوں یہ صحرا کو خوفِ وحشت ہے
دریا ڈرتا ہے ڈوب جانے سے

مخلصی کا یہ اہتمام ہوا
بڑھ گئی دشمنی زمانے سے

گھر غریبوں کے ڈھاتا بادل یہ
خود لرزتا ہے کیوں نہانے سے

اس کو عادت ہے بے حجابی کی
عشق چھپتا نہیں چھپانے سے

طیش واعظ کی گفتگو میں پلا
پیار پلتا ہے بادہ خانے سے

دستِ شفقت اٹھا نہیں اب تک
دم ہی گھٹتا ہے سانس آنے سے

ہے عجب بزمِ شوقِ جامِ نظر
شوق بڑھتا ہے مے پلانے سے

☆ ☆ ☆

موج ملتی سفینے والوں کو
چین ہوتا پسینے والوں کو

رد انگوٹھی تجھے ترستی ہے
کچھ خبر دو نگینے والوں کو

جانتے ہیں سبھی حلال و حرام
مت کہو زہر پینے والوں کو

دل بوسیدہ سنبھال رکھا ہے
داد بنتی ہے سینے والوں کو

زندگی مصلحت پسند نہیں
مار دیتی ہے جینے والوں کو

وہ جو طارق تھا مر گیا آخر
کوئی کہہ دے مدینے والوں کو

☆☆☆

اس لیے دل لگی نہیں کرتا
موت مرنے کو جی نہیں کرتا

یاد کرتا تھا بے سبب پہلے
یاد اس کو ابھی نہیں کرتا

کیا شکایت ہو بے وفا اس سے
مجھ سے تو بات بھی نہیں کرتا

دل لگانے کو جی تو کرتا ہے
جی لگانے کو جی نہیں کرتا

جب نہیں کچھ جواز جینے کا
پھر میں کیوں خودکشی نہیں کرتا ؟

جس طرح آپ نے بھرم توڑا
یوں کوئی آدمی نہیں کرتا

دل بھی تو دل پرست نکلا ہے
پھر تو کیوں بندگی نہیں کرتا ؟

زرد چہرے میں کتنی وحشت ہے
منہ لگانے کو جی نہیں کرتا

زندگی ہے مرے تعاقب میں
میں تو آوارگی نہیں کرتا

اتنا مایوس زندگی سے ہوں
اب تو مرنے کو جی نہیں کرتا

یعنی مجھ سے اسے لگاو نہیں
اس لیے بے رخی نہیں کرتا

☆☆☆

اپنا پرایا کون ہے دیکھے نہ مفلسی
مجھ کو لگی جو بھوک جوانی کو کھا گیا

دریا جگر کو تھام کے بیٹھا رہا اداس
صحرا کا خشک لہجہ روانی کو کھا گیا

☆☆☆

یوں بھی خوش ہوں کہ وہ اب گردشِ حالات نہیں
چاند اترا نہ ہو گھر میرے کوئی رات نہیں

اک کا ہونا ہے محبت کا تقاضا اول
جو ملا ہاتھ لے سو ہاتھ سے وہ ہاتھ نہیں

ہم نے ڈالا با خوشی خود کو زبوں حالی میں
ان ستاروں کی تو ورنہ کوئی اوقات نہیں

مجھ کو معلوم تباہی کے ہیں اسباب مگر
کوئی پتھر کا کلیجہ ہے جو صدمات نہیں

جانے اس بات پہ کتنا ہی تماشا ڈالا
بات اتنی تھی کہ میں بولا کوئی بات نہیں

بے خبر اتنے نہ بنو نورِ مجسم دل سے
عہدِ الفت میں کوئی خانہِ بت ذات نہیں

خود بنا لیتے ہو طارق یوں سوالوں کے جواب
زندگی میری میں شامل یہ خیالات نہیں

☆☆☆

یاد آئیں گے دنیا والوں کو
جب یہ دنیا ہمیں بھلا دے گی

یہ جو دوزخ ہے دل کی جنت میں
میری پہچان بھی مٹا دے گی

اب تری یاد سرد ہو ورنہ
آتشِ ذکر دل جلا دے گی

دل بھی سونے نہ دے ہمیں دن کو
آنکھ پھر رات بھر جگا دے گی

نیند آنے لگی ہے قیدی کو
ڈر ہے تقدیر لب ہلا دے گی

اے صدا تو خدا تلک جانا
تجھ کو خلقِ خدا دعا دے گی

☆☆☆

کیوں کر چھپا سکو گے بلبل کی موت کو
بجلی گرائی کس نے گلشن کو یاد ہے
یہ بھی سنو حقیقت کانوں کو کھول کر
منصف کی خامشی بھی قاتل کو داد ہے

☆☆☆

ہوش والو کیا تو کچھ بھی نہیں
مے کدے میں پیا تو کچھ بھی نہیں

جس طرح حق تھا ہم ہوئے بدنام
اُس طرح سے، سنا تو کچھ بھی نہیں

عادتاً چیختا ہی رہتا ہوں
در حقیقت ہوا تو کچھ بھی نہیں

مرضِ دل کو دوا ضروری ہے
دردِ دل کی دعا تو کچھ بھی نہیں

دشمنوں کو دو زندگی کی دعا
اس سے بڑھ کے سزا تو کچھ بھی نہیں

عمر گزری ہے گھر بنانے میں
آج تک گھر بنا تو کچھ بھی نہیں

اپنی سانسیں فریب دیتی ہیں
زندگی میں رہا تو کچھ بھی نہیں

یوں ہی رسماً میں دیکھ بھال کروں
دل مکاں میں رکھا تو کچھ بھی نہیں

جانِ جاں جان چاہیے یہ تمھیں
لیجیے پر بچا تو کچھ بھی نہیں

پڑ گئیں سر مصیبتیں ناحق

با خدا میں، کہا تو کچھ بھی نہیں

اس لیے چھپ گیا ہوں منظر سے
اب ہمارا چھپا تو کچھ بھی نہیں

کس لیے ہے گمان طارق کو ؟
اس جہاں میں وفا تو کچھ بھی نہیں!

☆☆☆

میں اسے بھول ہی گیا ہوں ابھی
سچ ہے میں جھوٹ بولتا ہوں ابھی

محتسب بن گیا ہوں اپنا آپ
اپنی ہر بات ٹوکتا ہوں ابھی

بے کراں سوچوں کا سمندر تھا
حسبِ توفیق سوچتا ہوں ابھی

کچھ بگاڑا نہ گردشوں نے مرا
اپنے محور میں گھومتا ہوں ابھی

یارو خود سے مل چکا ہوں کہیں
نقشِ پیکر کو جانچتا ہوں ابھی

ان خیالوں کو سوچتا ہوں ابھی

دوڑِ دنیا میں گم گئے اپنے
وقتِ رفتار روکتا ہوں ابھی

پھر نہ اٹھنے کو ہم سو جائیں گے
اس خوشی سے تو جاگتا ہوں ابھی

جان بازی تھا مشغلہ میرا
جاں نثاری سے بھاگتا ہوں ابھی

دیکھ اتنی جدید دنیا میں
اے خدا تجھ کو مانتا ہوں ابھی

کتنی پرواز سے گرا آخر
نقش قدموں کے ڈھونڈتا ہوں ابھی

کتنی سانسوں نے زندگی لوٹی
آج تک ان کو ڈھونڈتا ہوں ابھی

میرے دامن سے اٹھ رہا ہے دھواں
اپنا سایہ کریدتا ہوں ابھی

گھر غریبوں کا جل گیا شب سے
گھر اجل کا میں تاڑتا ہوں ابھی

☆ ☆ ☆

فیصلہ زندگی نے کرنا ہے
کس نے کس وقت موت مرنا ہے

تھک گیا ہوں پرائی دشمنی سے
آج اپنے خلاف دھرنا ہے

اپنے اندر یوں بے یقینی ہے
ہم نے کس پر یقین کرنا ہے

چھوڑ آیا ہوں سر قیامت کا
اپنے بچوں کا پیٹ بھرنا ہے

جس کے ہونے سے زندگی تڑپے
اس کو جیون سے دور کرنا ہے

☆ ☆ ☆

مجبور کر گئی کچھ غربت گنہ پہ آج
توبہ کا مجھ کو کوئی رستہ نکال دے
شاید کہ بچ سکو میں دوزخ سے اس طرح
مجبوریاں مری سب دوزخ میں ڈال دے

☆ ☆ ☆

زندگی کی ہے آخری صورت
سانس لگتی ہے آگ کی صورت

زندگی نے کہیں نہیں چھوڑی
تجھ سوا کوئی دوسری صورت

جو جوانی میں بوڑھے دکھتے ہیں
تم نے دیکھی ہے بے بسی صورت

اس گمانی میں سر کو پیٹتے ہیں
کس کا حصہ ہے دلکشی صورت

لوگ مرتے رہے سجاوٹ پر
کتنی جاذب ہے سادگی صورت

ہم فقیروں میں اک نوابی ہے
سر جھکاتے نہیں کسی صورت

وہ یقینا کوئی فرشتہ تھا
جو بظاہر تھا آدمی صورت

☆☆☆

پاس جس کے بھی فن نہیں ہوتا
یعنی وہ تیغ زن نہیں ہوتا

کھا گئی یہ کئی جوانوں کو
خودکشی کا بدن نہیں ہوتا

پیار کرنا پڑا مجھے اس سے
ایک پل جس سے من نہیں ہوتا ؟

اک کفن بے لباس رہتا ہے
آسماں کا کفن نہیں ہوتا

اس کا سارا جہان ہوتا ہے
جس کا کوئی وطن نہیں ہوتا

جا لپٹتی ہے ہر بدن سے خوشبو
اس کا اپنا بدن نہیں ہوتا ؟

اپنے کھونے پہ روتی بلبل ہے
تنہا رہنا چمن نہیں ہوتا

☆☆☆

رہ گزر تھا گزر گیا ہو گا
تھا تو بے گھر کدھر گیا ہو گا

زندگی سے جو دل لگا بیٹھا
سانس لینے پہ مر گیا ہو گا

وہ جو اتنی شراب پیتا ہے
شب نشہ ہی اتر گیا ہو گا

جو نکل کر گیا مرے دل سے
جانے کس کے وہ گھر گیا ہو گا

آج دل جو یہ خالی خالی ہے
دل کسی سے تو بھر گیا ہو گا

خودکشی کو وہ جھولا رسی پر
سانس آنے پہ ڈر گیا ہو گا

کون دیتا ہے آج کل مہلت
کام کرنا تھا کر گیا ہو گا

☆☆☆

چھوڑ امید و آس رہتا ہوں
تب ہی مردم شناس رہتا ہوں

تاڑ میں رہتا ہے جہاں سارا
اس لیے اپنے پاس رہتا ہوں

اک کمی ہے نہ جانے اپنے میں
سنگ دلوں سے کپاس رہتا ہوں

اتنا روشن خیال بندہ ہوں
ہر خوشی میں اداس رہتا ہوں

اوڑھ کر مفلسی کی چادر میں
ہر جگہ بے لباس رہتا ہوں

☆☆☆

گنہ گاروں سے شرم آتی ہے
شرم ساروں سے شرم آتی ہے

لاش وارث کی آرزو میں رہی
عزا داروں سے شرم آتی ہے

وقت گردش کی زد میں آ پھنسا
قرض داروں سے شرم آتی ہے

بے وفاوں سے دل لگا بیٹھا
وفا داروں سے شرم آتی ہے

رنجگی راس آ گئی لیکن
ان ستاروں سے شرم آتی ہے

تیرا محفل میں پوچھ لیتے ہیں
اللہ ماروں سے شرم آتی ہے

شرم آتی ہے شرم سے طارق
رشتہ داروں سے شرم آتی ہے

ہنستے ہنستے میں رو پڑا طارق
آبشاروں سے شرم آتی ہے

☆ ☆ ☆

اس نے خود کو کہیں سنوار دیا
سر پہ سر رکھ کے سر اتار دیا

اس نے خود کو کہیں سنوار دیا
سر پہ سر رکھ کے سر اتار دیا

غیر آباد بچ گیا کھنڈر
غم نے اندر کا شخص مارا دیا

میں میسر رہا تجھے پل پل
تو نے بدلے میں انتظار دیا

اب میسر نہیں کسی کو میں
ایک بندہ کو دل ادھار دیا

تو نے دی تو فقط محبت دی
میں نے تو تجھ کو اعتبار دیا

آزمائش نہیں ضروری اب

آزمائش نے اختیار دیا

☆☆☆

تیرا ہر بات پے گلہ دینا
میرا سن کے سب بھلا دینا

سب فرشتوں کو حسبِ حیرت ہے
تیرا غصے میں سر ہلا دینا

آج اترا ہوں عرش سے لوگو
میں نیا ہوں مجھے وفا دینا

ہے عقیدہ میری محبت کا
جانے والے کو راستا دینا

نہ دعا دو مجھے ثباتی کی
مر رہا ہوں تو حوصلہ دینا

میری عادت ہے راز دینا تجھے
تیری عادت ہے سب بتا دینا

کیسا منظر ہے میرے مرنے کا
غم سناتے یوں مسکرا دینا

☆☆☆

دنیا وہ چیز جس کا تغیر پہ انحصار
تعزیر کی تو ہم نے ثباتی گزار دی

دو گام ہم چلے ہیں تو دو گام زندگی
مل جل کے یوں ہی ہم نے حیاتی گزار دی

☆☆☆

سامنے میرے آئینہ تھا کبھی
یہ بھی چہرہ مجھے ملا تھا کبھی

جانے مایوس کیوں ہوا بیٹھا
میں تو لوگوں کا حوصلہ تھا کبھی

اس سے جی بھر گیا نہ جانے کیوں
جسے جی بھر کے چاہتا تھا کبھی

اب وہ عادت بھی دل بھلا گیا ہے
کسی کے غم کراہتا تھا کبھی

اب تو گم نام ہو گیا طارق
جسے ہر شخص جانتا تھا کبھی

☆☆☆

منت ، مراد اور دعا کو لیے پھروں
کعبہ طواف اور خدا کو لیے پھروں

ہم سے وفا پرست پہ مقتل کو ناز ہے
شہر وفا شکن میں وفا کو لیے پھروں

گھر میں چراغِ صبح ، ہے مہمان رات کا
نادان میں کہیں کا ہوا کو لیے پھروں

اک تلخ زندگی کا بھی جیون پہ بوجھ ہے
سینے میں سجدہ گاہِ خدا کو لیے پھروں

سرکار آدمی پہ زباں بندی کا ہے حکم
تنہا صدا بلند ، صدا کو لیے پھروں

قاضی کا فیصلہ ہے عدالت شکن مزاج
ایسے ہزاروں سر پہ ، قضا کو لیے پھروں

میں نے ہتھیلیوں کے نشاں تک بدل دیئے
رستے لہو کی رنگِ حنا کو لیے پھروں

☆☆☆